شفقت بھری یادیں

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

شیخ التفسیر والحدیث ،امام الفرائض حضرت مولانا شریف اللہ صاحب مولویانی رحمۃ اللہ علیہ کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا، ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش ہے۔(ادارہ)

ہمارے اساتذہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تک دین اپنے اکابر کے ذریعے پہنچا ہے۔لہٰذا ان سے جڑے رہو، جو اکابر حیات ہیں وقتاً فوقتاً ان کی زیارت کرتے رہو اور جو دنیا سے چلے گئے ہیں ان کی سوانح کا مطالعہ کرتے رہو ۔اس کی برکت یہ ہوگی کہ خود بخود ان کے رنگ میں رنگتے چلے جاؤ گے اور یہ رنگ چونکہ ''صبغت اللہ'' ہے، اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہے، اس لیے یہ اس نسبت کا دوسرا نام ہے جو حضور ﷺ سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔آج کل فتنوں کے عام ہونے کا ایک بڑا سبب اپنے اکابر سے عقیدت کا نہ ہونا اور خود پسندی میں مبتلا ہونا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جب تک آدمی اکابر کی زیارت نہ کرے تو اسے یقین نہ آئے کہ سوانح میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ بغیر مبالغے کے سچ ہے۔ یہ عاجز بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتا اگر اسے اللہ والوں کی صحبت اور زیارت کا موقع نصیب نہ ہوا ہوتا۔انہی میں سے ایک محبوب ومشفق ہستی، شیخ التفسیر والحدیث ،امام الفرائض حضرت مولانا شریف اللہ صاحب مولویانی رحمہ اللہ کی تھی۔احقر نے اپنی کتاب ''تسہیل السراجی'' کے مقدمے میں تفصیل سے لکھا ہے کہ کس طرح ان کے پاس جانا ہوا تھا اور پھر کس طرح ان کے اخلاقِ حمیدہ کا مشاہدہ کیا۔اب اگر اس داستان کو دوبارہ سناؤں تو اس کا بھی اپنا مزہ ہے اور اگر سابقہ لکھی ہوئی نقل کردوں تو وہ بھی قند مکرر ہے۔احقر نے لکھا تھا:

''یہ آج سے تقریباً دس سال قبل کی بات ہے، بندہ علمِ میراث کے حصول کے شوق میں مدرسہ ظہیریہ شمس العلوم رحیم یار خان میں استاذ الاساتذہ، شیخ التفسیر والحدیث ،امام المیراث حضرت مولانا شریف اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت ان دنوں دورۂ

میراث کی تدریس اپنے صاحبزادے حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مولویانی دامت برکاتہم کے سپرد کر چکے تھے، لہٰذا بندے نے ان سے وقت دینے کی درخواست کی۔ ان دنوں دورۂ میراث ختم ہو چکا تھا اور استاذ محترم سال بھر تدریس کے بعد دورہ کی محنت سے تھکے ہوئے تھے، لیکن بکمال مہربانی شاگردی میں قبول فرمایا اور دورہ تفسیر میں شریک ایک طالب علم کو میرے ساتھ جوڑ کر دونوں کو سبق شروع کرادیا (حضرت کے طریقۂ تدریس میں گردان ضروری ہوتی ہے، اس لیے ساتھی طالب علم درکار ہوتا ہے)۔ یہ سب اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ اس خاندان کی کمال شرافت اور اعلیٰ ظرفی ظاہر ہو جائے کہ ایک غریب الدیار، اجنبی اور عام طالب علم کو واپس لوٹانا گوارا نہ کیا اور کسی نہ کسی طرح اس کے حصول علم کے اسباب مہیا کر دیے۔ اللہ رب العزت اس پر ان کو دنیا و آخرت میں بہترین اجر دے، جو وہ اپنے خاص مخلصین ومحبین صادقین کو دیتا ہے''۔

عام قارئین نے اس اقتباس میں پوشیدہ لطف شاید محسوس نہ کیا ہو۔ دراصل اس وقت راقم الحروف ایک عام مدرس تھا، اس وقت نہ کالم نگاری شروع ہوئی تھی نہ دوسرے سابقے لاحقے لگے تھے۔ پھر میں بھیس بدل کر عام طالب علم کی طرح پڑھنے گیا تھا۔ اس زمانے میں پنجاب میں طلبہ سر پر رومال رکھتے تھے۔ دو جوڑے کپڑے، ایک رومال اور ساتھ واپسی کا کرایہ نیفے میں اڑسا ہوا، کل کائنات یہی تھی، پھر پہنچا بھی یکم رمضان کو تھا۔ بعد میں استاذ محترم نے فرمایا کہ ہم سمجھے کہ قرآن شریف سنانے کی جگہ نہیں ملی تو میراث کا شوق چرایا ہے۔ اس کے باوجود ایک عام مسافر طالب علم کا اس قدر اکرام کہ اپنے گھر سے کھانا لا کر بیٹھ کر کھلایا اور ساتھ میں ایک طالب علم جوڑ کر ایک بار پھر گویا دورہ شروع کروایا۔ یہ اعلیٰ اخلاق انہی حضرات کو زیب دیتے ہیں۔ ہم کراچی والے تو تکبر کی پوٹلیاں یا سچ پوچھیے تو بوریاں ہیں۔ علمائے کرام کا بھی خاطر خواہ اکرام نہیں کرتے۔ طالب جاناں بیچارے تو ہم سے کیا تاثر لیتے ہوں گے؟ غرض ان حضرات کے ساتھ گزرا وقت زندگی کی بہترین سبق آموز یادیں ہیں۔

ایک مرتبہ بندے نے عذر کیا کہ سادات میں سے ہے اور مدرسے میں سے زکوٰۃ کی رقم سے کھانا نہیں لے سکتا تو فرمایا: ''ہمارا مدرسہ وقف کی آمدن سے چلتا ہے اور یہ وقف ماشاء اللہ حضرت نے خود اور ان کے اہل خانہ نے کیے ہیں''۔ پھر ایک مرتبہ اپنے آبائی گاؤں ساتھ لے گئے جہاں ماشاء اللہ تاحد نظر ان کے مربعے پھیلے ہوئے تھے اور ان کے ذاتی اخراجات کے ساتھ مدرسے کی آمدنی کا ذریعہ بھی تھے، پھر پورے خاندان سے دوستی ہوگئی۔ اللہ کے فضل سے بڑے حضرت خود ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے اور خدمت کی عزت بخشی۔ اللہ کے فضل وکرم سے ایسا تعلق ہو گیا کہ اپنی صلبی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ ان کی وفات پر جو حضرات جنازے میں نہ جا سکے انہوں نے مجھ سے ایسے ہی تعزیت کی جیسے صلبی اقرباء سے کی جاتی ہے۔

احقر نے جب حضرت کی بیماری کا سنا تو ایک حاذق طبیب کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت کو بینائی کی خواہش صرف اس لیے تھی کہ حدیث شریف کو دیکھ کر پڑھا سکیں۔ اللہ اکبر! یعنی بیماری کے باوجود زبانی تو پڑھا رہے تھے، بس اتنا چاہتے تھے کہ آخری وقت تک دیکھ کر پڑھا سکیں۔

حضرت ان لوگوں میں سے تھے جن کا اس دنیا سے سوائے عبادت اور علم کے کوئی شغل نہ تھا۔ نہ عبادت سے طبیعت سیر ہوتی نہ پڑھانے سے دل بھرتا تھا، پھر علم کے ساتھ حلم، شفقت اور حسن خلق تو ماشاء اللہ ایسا کہ جو ملے گرویدہ ہو جائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی سند عالی کو آپ کی وجہ شہرت اور ذریعہ فیض بنایا تھا۔ بیسیوں حضرات رحیم یار خان کا سفر اس سند کے حصول کے لیے کرتے تھے۔ راقم الحروف کا تین سال سے یہ طریقہ کار تھا کہ سال کے آخر میں دورۂ حدیث اور تخصصات کے شرکاء کو جمع کر کے حضرت سے وقت لے لیتا تھا۔ حضرت فون پر سند پڑھ کر تمام حاضر علماء کو اس کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ ابھی چند دنوں پہلے ''دورۂ جغرافیہ'' کے دوران پھر تمام حاضرین کو یہ نعمت نصیب ہو گئی تھی۔ فون پر حضرت کی آواز جس طنطنے سے بلند ہوئی تھی وہ ابھی تک کانوں میں گونج رہا ہے۔

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے دوسری بہت سی نعمتوں کے ساتھ ''وبنین شھوداً'' کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی، ایسے تابع فرماں اور خدمت گزار بیٹے کہ والد کے ساتھ ان کے تعلق کے مناظر کو دیکھ کر انسان کی روح کو تازگی مل جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی باقیات صالحہ اور ان کی صلبی و روحانی اولاد صالحین کو ان کا صدقہ جاریہ بنائے، حضرت کے فیوض کو تمام و عام فرمائے، آپ کے قائم کردہ ادارے کو ظاہری و باطنی ترقی عطا فرمائے اور ہم سب کو آخرت میں اپنی رحمت کے سائے میں اکٹھا فرمائے۔ آمین

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور اتباعِ سنت

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تصانیف سے آج ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مجھے ایک دن خیال آیا کہ ہم اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں، مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟..... چنانچہ میں تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیتا رہا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں، کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل کرنے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے؟ تین دن تک تمام امورِ زندگی اور معمولاتِ روز و شب کا جائزہ لینے کے بعد اطمینان ہو گیا کہ الحمدللہ معمولات میں کوئی عمل خلافِ سنت نہیں۔